الرمزية في غزل وسيم بريلوي

د/ بسنت محمد شكري محمد
مدرس اللغة الأردية والأدب الحديث
قسم اللغات الشرقية- كلية الآداب
جامعة طنطا

ملخص البحث باللغة العربية:

الرمزية هي إحدى السمات الرئيسية لغزل وسيم بريلوي، حيث تظهر في جميع أنحاء شعره. وقداستخدم وسيم بريلوي أنواعًا مختلفة من الرموز المستخرجة من بيئته الاجتماعية والثقافية المعاصرة. كما يمكننا ملاحظة نفس الشيء في الشعر الأردي الحديث والمعاصر، وقد سعيت من خلال هذا البحث إلى تحديد وتمييز وتحليل الرموز المستخدمة في غزل الشاعر المعاصر وسيم بريلوي.

يتكون هذا البحث من مقدمة أشرت فيهاإلى موضوع البحث وعرض موجز للموضوعات والقضايا التي قدمها الشاعر بشكل خاص في غزله. كما ذكرت بعض آراء النقاد حول الشاعر، بما في ذلك حياة وسيم بريلوي وإنتاجه الأدبي، جاء بعد ذلك أهم النتائج التي توصل إليها البحث، ثم الخاتمة وثبت بأهم المصادر والمراجع. وتكمن أهمية البحث في أنه دراسة لبعض نماذج من غزليات وسيم بريلوي تبين من خلالها أن أشعاره هي نبض القلوب وأن لحن غزلياته هو صوت الزمن؛ لما تسرده من أحداث الحياة والتجارب إذ حاول أن يصوغ كل همسة وكل شعور إلى شخصية شعرية. كما تتزيين أشعار وسيم بريلوي بألوان الحداثة. وتعكس للقاريء الاتجاهات الفكرية الحديثة بشكل واضح، وإذا نظرنا عن كثب، فإننا نجد أن غزلياته المعاصرة تعكس اتجاهات الحداثة مع دفء مشاعر مير، وأسلوب غالب، وبلاغة داغ.

مقالے کا مختصر

یہ مقالہ ایك **دیباچے** پرمشتمل ہے جس میں میں نے بالعموم غزل اور بالخصوص وسیم بریلوی کی غزل میں علامت اور اس کے مختلف پہلوؤں کو بیان کیا ہے جنہیں شاعر نے خاص طور پر اپنے شعر میں پیش کیا ہے، **تمہید** اس میں میں وسیم بریلوی کی زندگی، ان کے اہم ادبی کارنامے، سمیت شاعر کے بارے میں نقادوں کی آراء کو بیان کیا ہے میں نے مقالے کے پہلے حصے میں" اردو غزل میں علامت نگاری کا رجحان"، دوسرے حصہ میں ، " وسیم بریلوی کی غزل میں علامت نگاری کا رجحان" پر بات کی، اور مذکورہ اشعار کی تشریح کی اور ان کا تجزیہ بھی پیش کیا ہے۔میں نے ان دو حصوں کے بعد خاتمہ کے طور پر مقالہ کے نتائج کا ذکر کیا ہے- پھر میں نے اخیر میں ان مصادر ومراجع کا تذکرہ کیا ہے جن سے میں نے استفادہ کیا ہے۔

موضوع کی اہمیت : اس مقالے میں وسیم بریلوی کا مطالعہ کر نے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی شاعری دلوں کی شاعری ہے اور ان کی غزلوں کا آہنگ، وقت کی آوازہے ۔زندگی میں رونما ہونے والے واقعات، وتجربات،ان کے شعری اسلوب میں ڈھل گئے۔انھوں نے دل کی ہر کسک،ہر احساس اور ہر تڑپ کو شعری پیکر میں ڈھالنے کی کوشش کی ۔

وسیم بریلوی کی غزل میں علامت نگاری [1] کا رجحان

دیباچہ

دنیا کی تمام اصنافِ سخن میں غزل کی طرح مقبولیت کسی اور صنفِ سخن کو حاصل نہیں ہوئی۔وہ تمام شعراء جنھوں نے غزل کو عروج بخشا، سماج اور معاشرے نے انھیں بھی بلند مرتبہ پر پہنچا دیا۔غزل عہدِ حاضر کے تقاضوں کو پورا بھی کرتی ہے اور انتہائی شاندار روایتوں کو نا صرف برقرار رکھتی ہے بلکہ اپنی شناخت بھی قائم کیے ہوئے ہے۔ یہ اردو غزل ہی ہے جو کبھی محبوب و معشوق کے دلوں کی آواز ہوا کرتی تھی جس سے عاشقی کے تار جھنجھنا اٹھتے تھے آج یہی غزل رومانیت،محبوبیت اور اشاریت کو پیکر بنا لینے کے باوجود عہدِ حاضر میں ہونے والی تمام تر تبدیلیوں کی ترجمانی بھی کرتی ہے۔ حالات سازگار نہ ہو تو شاعر کے دل سے نکلی ہوئی آواز غزل کے شعر کا پیکر بنتی ہے ۔[2]

وسیم کی شاعری اپنے عہد کی ایک درد آگیں داستان سناتی ہے، ان کے ہر لفظ میں ایک ٹیس اور ہر لے میں ایک آہ سی محسوس ہوتی ہے جو ایک چنگاری سی دلوں میں اتار دیتی ہے لیکن ایک عجیب سی مٹھاس اور ایک بے حد پرکیف نغمگی کے ساتھ وہ احتجاج بھی کرتے ہیں ۔ وسیم بریلوی کی شاعری معیاری اورجدیدیت کے رنگ سے مزین ہے ۔جدید علامتوں کے رجحان کی عکاسی ان کے اشعار میں نمایاں طور پر موجود ہے۔اگر بغور دیکھا جائے تو ان کے یہانمیر[3] کا سوزو گداز،مومن[4] کے طرز، غالب[5] کی خیال آفرینی اور

---

1 - "The word Symbol comes from the Greek "Symbol on" which means contract, token, insignia and a means of identification."(The New Encyclopedia of Britannica: London. 15th Edition, Vol 17, 1973-74, P.900.) - "The use of word to suggest or to intimate, rather than to convey specific meaning, in an essential characteristic of poetry"(The Encyclopedia of Americana, Grolier Incorporated, Danbury, Vol.26, 1972, P. 166.)

2 - خواجہ محمد اکرام الدین (پروفیسر)، وسیم بریلوی کی شاعری فکری اور فنی جہات، براؤن بك پبلی کیشنز، نئی دہلی، 2016ء،ص 212.

3 - میر تقی میر(پیدائش : 28 مئی 1723ء آگرے میں- وفات: 22 ستمبر 1810ء لکھنو میں)، اصل نام میر محمد تقی اردو کے عظیم شاعر تھے – میر ان کا تخلص تھا- اردو شاعری میں میر تقی میر کا مقام بہت اونچا ہے- انہیں ناقدین وشعرائے متاخرین نے خدائے سخن کے خطاب سے نوازا- وہ اپنے زمانے کے ایك منفرد شاعر تھے - (www.wikipedia.org)

داغ[6] کی شگفتہ بیانی کے ساتھ جدیدیت کی لے بھر پور طریقے سے موجود ہے-

وسیم آج ایک غزل گوشاعر کی حیثیت سے شہرت ومقبولیت کے جس مقام پر ہیں، وہاں ان کے تعلق سے مشکل ہی سے کسی کا ذہن اس جانب جائے گا کہ ان کی شاعری کا ابتدائی وتشکیلی دورنعتوں، مرثیوں اور نوحوں کا بھی ہے اور یہ کہ اپنے شعری سفر میں انہوں نے نعت پاک کے دامن کوکبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ یقیناً اس میں اس ماحول کا بڑا ہاتھ ہے جس میں وسیم ؔ کی نشوو نما ہوئی۔انہوں نے بریلی میں آنکھیں کھولیں جس کی فضا امام احمد رضاؔ بریلوی[7] اور حضرت حسن ؔ بریلوی کی نعتوں اور سلاموں سے معطر تھی، ان کی ابتدائی زندگی کا ایک بڑا حصہ رامپور میں گزرا جس کو اردو شعرو ادب میں ایک دبستان کا درجہ حاصل رہا ہے اوران کے والد نسیم ؔ مرادآبادی خود بھی شاعر تھے۔سابقہ مقالے و تحقیقات: مصر کی یونیورسٹیوں میں ابھی تک موصوف شاعر پر کوئی مقالہ اور تحقیق نہیں پیش کیا گیا ہے، اور اس طرح کسی ریسرچ اسکالر نے بھی ،وسیم بریلوی کی اردو غزل پرکوئی مقالہ یا اس کا ترجمہ اب تک نہیں پیش کیا گیا ہے۔

4 - مومن خان مؤمن(پیدائش: 1800ء دہلی میں- وفات: 1851ء دہلی میں) وہ دبستان دہلی سے تعلق رکھنے والے اردو زبان کے مشہور شاعر اور اسد اللہ غالب کے ہم عصر تھے- (www.wikipedia.org)

5 - غالب (پیدائش: 27 دسمبر 1797ء آگرے میں- وفات: 15 فروری 1869ء دہلی میں) وہ نجم الدولہ ، دبیر الملك، مرزا نوشہ اسد اللہ خان غالب بہادر نظام جنگ اردو زبان کے سب سے بڑے شاعروں میں ایك سمجھ جاتے ہیں- غالب کی عظمت کا راز صرف ان کی شاعری کے حسن اور بیان کی خوبی ہی میں نہیں ہے - (www.wikipedia.org)

6 - داغ دہلوی(پیدائش 25 مئی 1831ء دہلی- وفات: 17 مارچ 1905 ء حیدر آباد)، نواب مرزا خان اور تخلص داغ تھا، وہ معجز بیان ہے وہ خط انسان کی زندگی کا وہ آئینہ ہے جس میں ان کی شخصیت کے تمام پہلو مختلف اندار میں سامنے آ جاتے ہیں- محمد کاظم(پروفیسر)، داغ دہلوی: خطوط کے آئینے میں- اردو ریسیرچ جرنال، 25 جولائی 2017ء-

7 - امام احمد رضا خان(پیدائش: 14 جون 1856ء بریلی ضلع میں- موت ہوئی: 28 اکتوبر 1921 بریلی ضلع میں) بیسویں صدی عیسوی کے مجدد نامور حنفی فقہیہ ، محدث، اصولی ، نعت گو شاعر، علوم نقلیہ وعقلیہ کے ماہر، سلسلہ قادریہ کے شیخ، عربی، فارسی اور اردو کی کثیر کتابوں کے مصنف جن میں مشہور ترجمہ قرآن کنز الایمان، فتاوی کا مجموعہ فتاوی رضویہ اور نعتیہ دیوان حدائق بخشش مشہور ہیں – (www.wikipedia.org)

تمہید

(وسیم بریلوی: پیدائش، تعلیم اور زندگی)

ادبی نام: وسیم بریلوی
نام: زاہد حسن
یوم پیدائش: 8 فروری 1940ء کو ہوئی
جائے پیدائش: بریلی یوپی (بھارت)،
تعلیم: ایم اے اردو (فرسٹ ڈویزن، فرسٹ پوزیشن آگرہ یونیورسٹی ، آگرہ)
ملازمت: لیکچرر شعبہ اردو بریلی کالج، بریلی 1962 سے 1980تك
- صدر شعبہء اردو بریلی کالج، بریلی 1980 سے 2000تك
- ڈین فیکلٹی آف آرٹ مہاتما ماجیوتبا پھلے روہیل کھنڈ یونیورسٹی بریلی 1998ء تا 2000ء

دیگر تعلیمی سرگرمیاں: دس ریسیرچ اسکالر وسیم بریلوی کی سر پرستی میں تحقیقی مقالے پیش کر کے پی ایچ ڈی کی سند حاصل کر چکے ہیں-

ان کے والد محترم کانام "شاہد حسن" نسیم مراد آبادی خود ایك شاعر تھے جن کا شمار جگر مراد آبادی[8] کے ہم عصروں میں ہوتا ہے – زاہد کی والدہ رفیعہ بیگم متقی پرہیز گار تھی اور شوہر کے کاموں میں ہاتھ بٹانے والی نیك اور صالح بیوی تھی – زاہد کے بچپن کی زندگی کانٹوں بھری تھی – انھوں نے اپنے آبائی وطن مراد آباد میں زیادہ وقت نہ گزارا جس کی وجہ ان کی کچھ ذاتی پریشانی اور معاشی بدحالی بتائی جاتی ہے[9] –

وسیم کے دادا مراد آباد کے سب بڑے جاگیر دار تھے- 368 گاؤں کے مالك تھے- لوگ کہتے ہیں اس زمانے میں ٹرین مراد آباد سے کاشی پورتك ان کی زمین داری میں چلتی تھی لیکن والد کی سادہ مزاجی اتنی بڑی جائداد کو بہت دنوں تك سنبھال نہ سکی اور انجام یہ ہوا کہ دیکھتے دیکھتے سب ختم ہوگیا – ان کے والد شاہد حسن صاحب کا انتقال 1984ء میں ہوا جب کہ والدہ کا سایہ 1992ء میں سر سے اٹھ گیا- وسیم پانچ بھائی بہن ہیں تین بھائی اور دو بہنیں بڑے بھائی علی حسن افروز چھوٹے بھائی راشد حسن، بڑی بہن عطیہ پروین

---

[8] - جگر مراد آبادی کا اصل نام علی سکندر اور تخلص جگر تھا – بھارت کی ریاست اترپردیش کے شہر مراد آباد میں پیدا ہوئے اور اسی لیے مراد آبادی کہلائے – اردو کے مشہور شاعر گزرے ہیں – آپ 6 اپریل 1890 کو مراد آباد میں پیدا ہوئے – آپ بیسویں صدی کے اردو مشہور شاعروں میں سے ایك ہیں- وہ 9 ستمبر 1960کو وفات ہوئی- (ttp://ur.m.wikipedia.org)

[9] - خواجہ محمد اکرام الدین (پروفیسر)، وسیم بریلوی کی شاعری فکری اور فنی جہات، مذکورہ کتاب، ص 281-

اور چھوٹی صفیہ پروین ، وسیم کی ازدواجی زندگی بھی بڑی خوشحال ہے ان کی شادی 1975ء میں میرٹھ میں نکہت وسیم سے ہوئی جن سے تین اولادیں ہیں ، باصرہ وسیم ، منزہ وسیم، موزں وسیم' وسیم کم عمری میں ہی مراد آباد سے بریلی چلے گئے اور یہیں سے بنیادی اور ثانوی تعلیم حاصل کی – اس کے بعد آگرہ یونی ورسٹی[10] کے بریلی کالج سے 1958ء میں اردو سے ایم اے کیا اور امتیازی نمبر سے پاس ہوئے - بعد ازاں وسیم کے ملازمت کا دور شروع ہوتا ہے وسیم بریلوی نے سب سے پہلے مراد آباد کے سنبھل انٹر کالج سے ملازمت کا آغاز کیا، جہاں وسیم کے مزاج کے مطابق کا رواں زیادہ دن نہ چل سکا تو موصوف نے دہلی کا رخ کیا، موصوف دہلی یونیورسٹی[11] کے ہندو کالج میں 1959ء میں لکچرر کے طور پر مقرر ہوئے - اس وقت دہلی یونیورسٹی اور خود دہلی میں بھی قد آور ادیبوں اور ناقدوں کا جماوڑا لگا ہوا تھا[12]۔

وسیم بریلوی کے حاصل شدہ ایوارڈ:

وسیم کو کئی ایوارڈ اور اعزازات سے بھی نوازا گیا جس میں حاصل حیات ایوارڈ برائے شاعری:

- میر تقی میر اکادمی لکھنؤ کا امتیازی ایوارڈ
- ہندی اردو سنگم لکھنؤ کا غزل ایوارڈ
- کلاسمرتی لدھیانہ کا اعلی تخلیقی ایوارڈ
- کل ہند ہندی اردو ساہتیہ ایوارڈ لکھنؤ
- انجمن امروہہ کراچی پاکستان "غزل ایوارڈ"
- ایلیٹ کالج کراچی پاکستان " غزل ایوارڈ"
- دی عثمانین شکا گو امریکہ " نسیم اردو" ایوارڈ
- کاؤنسلیٹ جنرل آف انڈیا جدہ (سعودی عرب) کے ذریعے اعزاز 1997ء-2005ء
- ہندی ساہتیہ سملین پریاگ کے ذریعہ 9 ساہتیہ سارسوت اعزاز
- گہوارہء ادب یو ایس اے کے ذریعہ "ادبی اعزاز"

10- آگرہ یونیورسٹی، آگرہ ، اترپردیش میں واقع ایك صوبائی یونیورسٹی ہے –1927ء بھارت میں قائم ہوئی- (www.wikipedia.org)

11 - دہلی یونیورسٹی بھارتی یونیورسٹی جو دار الحکومت دہلی میں قائم ہے – یہ جامعہ 1922ء میں قائم ہوئی اور یہ بھارت کی مصروف جامعات سے ہے- (www.wikipedia.org)

12 - خواجہ محمد اکرام الدین (پروفیسر)، وسیم بریلوی کی شاعری فکری اور فنی جہات،ایك سابق حوالہ،ص281-

- ہیوسٹن سٹی کاؤنسل ٹیکساس امریکہ کے ذ ریعہ اعزازی " آنریری سٹیزن" اور گڈول ایمبیسڈر 2007ء میں
- فراق انٹرنیشنل ایوارڈ 2007ء[13]
-سردار جعفری لٹریری ایوارڈ ٹیکساس امریکہ 2009 ء[14]
-مولانا محمد علی جوہر ایوارڈ
- یش بھارتی سمان (یو پی سرکار) 2013ء
- ڈاکٹر رام گوپال چترویدی سمان
- کیفی اعظمی ایوارڈ 2013ء
- لائف ٹایم اچیومنٹ ایوارڈ 2013ء
- ہندی اردو ساہتیہ ایوارڈ 2014ء
- اتحاد مات کنونشن " نشان میر" ایوارڈ 2014ء
- اترپردیش اردو اکیڈمی کا قومی ایکتا صغری مہدی ایوارڈ 2015ء
- امر اجالا گروپ سے " اتل مہیشری واڑی سمان " 2015ء
- کلادھرمی باغ بیگم اختر اکیڈمی آف غزل کا " کلادھرمی باغ ایوارڈ" 2015ء
– سنت کالی داس ساہتیہ سمیتی ، کروچھیتر کا سؤارڑپدك سمان "گولد میڈل" 2015ء وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ [15]

دیگر کار گزاریاں:

وائس چئیرمین: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ، وزارت ترقی انسانی وسائل (بھارت سرکار) 2011 سے 2014 تك۔

چیئرمن: جن سترکتا کمیٹی بریلی، ناگرك سماج بریلی، خلیل ہائر سیکنڈری اسکول بریلی

-آے آر روہیل کھنڈ جونیئر ہائی اسکول بریلی

بانی: ہند ہائرسیکنڈری اسکول بدھولیاسی بی گنج بریلی

سربرست: مانوسیوا کلب بریلی

13 - فراق گورکھپوری(پیدائش: 28 اگست 1896ء- وفات: 3 مارچ 1982ء)، مصنف، ادیب، نقاد، اور شاعر تھے ، ان کا شمار بیسویں صدی کے اردو زبان کے صف اوّل کے شعرا میں ہوتا تھا- ان کا اصل نام رگھو پتی سہائے تھا- (www.wikipedia.org)

14 - علی سردار جعفری بھارت سے تعلق رکھنے والے اردو کے مشہور ومعروف شاعر تھے- وہ ادب کی ترقی پسند تحریك اور کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا سے وابستہ تھے – 29 نومبر 1913میں پیدا ہوئے-1 اگست 2000میں وفات ہوئی- (www.wikipedia.org)

15- خواجہ محمد اکرام الدین، ایك سابق حوالہ،ص14-

ممبر:

- آکاشوانی اور دودرشن (حکومت ہند) کی مشاورتی کمیٹی اور آکاشوانی رامپور کے پروگرام مشاورتی کمیٹی کے ممبر ہے –
- اردو اکادمی کے رکن رہے –
- انجمن اسلامیہ بریلی کے لائف ممبر
- سول ڈیفینس بریلی کے چیف وارڈن رہے – [16]

خلیجی ممالك كا سفر: وسیم بریلوی نے خلیجی ممالك کے بہت سارے ادبی سفر کئے اور آج بھی وسیم مشاعروں کی آبرو بن کر اردو ادب کی نمائندگی کررہے ہیں –

وسیم بریلوی کی تصنیفات وتخلیقات:

- "تبسم غم" - پہلا شعری مجموعہ - 1966 ء
- " آنسو میرے دامن تیرا" ہندی- شعری مجموعہ- 1972ء
- " مزاج" - وسیم بریلوی کا وہ مجموعہ کلام ہے جو شعری انتخاب ہے اسے اظہر عنایتی نے انتخاب اور ترتیب دیا ہے - 1990ء
- "آنکھ آنسو ہوئی- شعری مجموعہ - " 2000ء
- " میرا کیا" ہندی- شعری مجموعہ- 2000ء
- "آنکھوں آنکھوں رہے"- شعری مجموعہ - 2000ء
- " موسم اندر باہر کے" - شعری مجموعہ 2007 ء
- " انداز گزارش" - نعتیہ مجموعہ - 2009ء
- " ہندی اور اردو وسیم بریلوی کے ضرب المثل اشعار" 2012ء
- زیر ترتیب " کلیات وسیم"[17]

[16] - ایضًا خواجہ محمد اکرام الدین، ایك سابق حوالہ،ص 15-
[17] - ایضًا خواجہ محمد اکرام الدین، ایك سابق حوالہ، ص 290-291-

وسیم بریلوی ادیبوں کی نظر میں:

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین: " وسیم بریلوی کی شاعری اسلاف کی روایات کی امین بھی ہے اور نئی نسل کے لئے مشعل راہ بھی شائستگی اور نرمی ان کے لب ولہجے کا نمایاں وصف ہے سہل ممتنع کی خوبصورت مثالیں ان کی شاعری میں جا بجا موجود ہیں، اسی لیے ان کے اکثر اشعار زبان زدخاص وعام ہیں -تصنع اور ریا سے پاك وسیم بریلوی کی شاعلای خودان شخصیت کا عکس ہے- وسیم بریلوی اردو دنیا میں سفیر ادب وثقافت کے طور پر جانے جاتے ہیں ان کی مقبولیت کا عالم یہ ہے کہ انھیں اردو کے ساتھ ساتھ ہندی والے بھی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ ان کی شاعری میں ایك خاص رکھ رکھاؤ ہے جو ہندوستانی تہذیب وثقافت کی نمائندگی کرتی ہے" [18]- " موصوف کے ادبی کارناموں کا دائرہ بہت وسیع ہے ان پر وسیم بریلوی کے فن اور شخصیت کے عنوان سے تحقیقی کام ڈاکٹر جاوید نسیمی نے کیا اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی- شعر وشاعری کا فن وسیم کو وراثت میں ملا ہے – وسیم کے والد کی دوستی جگر مراد آبادی جیسے شاعر سے تھی جن کا وسیم کے یہاں آنا جانا رہا کرتا تھا، وسیم کی ادبی زندگی کا آغاز اسی وقت ہوجاتا ہے جب وسیم کے گھر بقول وسیم بریلوی: " والد صاحب نے ایك بار جگر کو گھر پر بلایا اس وقت میں آٹھویں کلاس میں پڑھا کرتا تھا – والد صاحب نے جگر صاحب سے کہا یہ میرا بیٹا زاہد ہے اور شاعری بھی کرتا ہے یہ سن کر جگر صاحب خوش ہوئے اور کہا پڑھنے لکھنے میں کیسا ہے کہا اچھا ہے تو کہا پہلے پڑھنے لکھنے پر پورا دھیان دو – اس کے بعد میری ملاقات کبھی جگر صاحب سے نہیں ہوئی" [19]

"ڈاکٹر محمد حسن: " غم کو دولت بیدار سمجھنا ہماری شعری روایت ہے بعض نے اس کا رشتہ تصوف سے جوڑ لیا بعض نے قنوطیت کے فلسفے سے مگر وسیم نے غم کو نئے زاوئے سے دیکھا ہے یہ زاویہ شخصی اور ذاتی بھی ہے اور عصری بھی- ان کے زمانے کا غم محض وجود سے متعلق ہے نہ محض ازلی گناہ کے تصور سے بلکہ انسان کے ان گہن سال ملالوں سے ابھرا ہے جو خواب اور شکست خواب کے دہرے عمل میں مضمر ہے "-

مظفرحنفی: " جن تین ، چار غزل گویوں سے نیك توقعات وابستہ تھیں اور جن کی غزلوں کو متعلقہ دہائی کا حاصل قرار دیا تھا ان میں ایك نام وسیم بریلوی کا تھا – یقین کیجئے ایسا قادر الکلام شریف النفس اور دردمند دل رکھنے والا شاعر شہرت اور دولت کے ان پاؤں میں پس رہا ہے جنھیں مشاعروں کے

[18] - ایضًا خواجہ محمد اکرام الدین، ایك سابق حوالہ، ، ص 9.
[19] - پچھلا حوالہ، ص 282-

کنویز گھماتے ہیں زبان پر جو دو بست وسیم بریلوی کو حاصل ہے طبیعت میں جمالیاتی رچاؤ کی جس طرح فراوانی ان کے یہاں ہے – میں ان باتوں کا شاہد ہوں" [20]

ڈاکٹر سعید عارفی بہرائچ:" شاعری وسیم کیلئے عبادت کا درجہ رکھتی ہے- اسی کے ذریعہ وہ اپنی ذات کی تلاش اور جستجو میں منہمك نظر آتے ہیں - زندگی کی دربدری نے جہاں وسیم بریلوی کو مرحلہ در مرحلہ مصائب سے دو چار کیا وہیں- غموں کے سمندر سے گذرنے کا حوصلہ بھی عطا کیا"[21]-

پہلا حصہ

اردو غزل میں علامت نگاری کا رجحان

علامت کے بارے میں بیان کیے گئے درج بالا مفاہیم کی رُو سے ہمیں اس لفظ کے حتمی معنی تک پہنچنے میں مددملتی ہے- چنانچہ اس یونانی الاصل لفظ کو نشان، اشارہ، خیال اور کسی پس منظرمیں خوابیدہ مفہوم کے متبادل کے طورپر استعمال کیاجاتا ہے-

ادبی اصطلاح میں علامت نگاری سے مراد کسی خیال یا فکرکو بالواسطہ طورپر کسی اشارے یا نشان کے طور پر بیان کرنے کا نام ہے-

ولیم یارک ٹنڈل کے مطابق:''ادبی علامت ان دیکھی شے کی ایسی مشابہت یا مماثلت ہے جس کے قلب میں محسوسات اور فکر کے اشارات کا ایک طویل سلسلہ ہوتا ہے[22]-

اردو کے نقاد عارف عبدالمتین نے علامت کے معنی و مفہوم سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے: ''علامت کے لغوی معنی ہیں نشان یا سُراغ اور اس لفظ کی توضیح یوں کی جاسکتی ہے کہ علامت کسی بھی نوعیت کی اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی بھی نوعیت کی دوسری چیز کی نشاندہی کرے یا اس کاسراغ مہیاکرے- بہ الفاظ دیگر علامت اس پُرمعنی وجود کا نام ہے جس کی معنویت محض اس سے ماورا کسی اوروجود کے حوالے میں مضمرہو- گُل کا لفظ ایک علامت ہے- اس کی معنویت اس نباتاتی وجود میں پوشیدہ ہے جو کہ سُرخ رنگ کی نرم و نازک پتیوں پرمشتمل پیکر لیے اپنی خوشبو سے باغ کے گوشے گوشے کو مہکارہا ہو اسی طرح بلبل کا لفظ ایک علامت ہے اور اس کی معنویت

---

[20] - ایضًا خواجہ محمد اکرام الدین ، ایك سابق حوالہ، ص 335.

[21] - پچھلا حوالہ، ص 335.

[22] - William York Tindall: The Literary Symbol,1962, amazon .com: books, p 31.

کا راز اس حیواناتی وجود میں پنہاں ہے جو اپنے خوشنما اور دیدہ زیب رنگوں والے پَروں کے ساتھ باغ میں اُڑتااور گلوں پرکمال شیفتگی سے منڈلاتا ہے[23]۔

میں علامت کو اس پُرمعنی وجود کا نام دے سکتی ہوں جس کی معنویت اس سے ماورا کسی اور وجود کے حوالے میں مضمر ہے۔ چنانچہ شاعری میں علامت کے وسیلے سے معنوی تہیں پیدا ہوتی ہیں۔ گویا علامت اپنے لفظی معنی کے علاوہ تہ در تہ احساسات اور مفاہیم کا ایک سلسلہ اپنے بطن میں چُھپائے ہوتی ہے۔ پھر ان معنوی پرتوں کا ایسا پائیدار رشتہ انسانی ذہن سے قائم کرتی ہے جس کے امکانات قوتِ متخیلہ کے ساتھ ساتھ وسیع ترہوتے چلے جاتے ہیں۔ علامت کو ایک خاص امیج قراردیاجاسکتا ہے جس میں سے اور متعددامیجز برآمدہوتے ہیں۔ یہ خاص امیج دعوتِ فکر و خیال دیتا ہے۔ اس لحاظ سے علامت فکر کے لیے غذا کا فریضہ سرانجام دیتی ہے اور ذہنِ انسانی کے زنگ کو دُورکرکے اس میں حرکت کی صفت پیداکرتی ہے۔

الفاظ کے صحیح لغوی امکانات علامتی اسلوبِ بیاں ہی سے واضح ہوتے ہیں۔ علامت سازی ایک ہمہ گیرعمل ہے اور انسان کا ذہن مختلف خیالات، افکار، محسوسات اور تلازمات کے رشتوں کوعلامتی شکل میں متعین کرتارہتا ہے۔

علامتوں کی اقسام: علامتوں کے ابلاغ اورمعنویت کی بناپر ان کو تین حصوں میں تقسیم کیاجاسکتا ہے:

۱۔ **روایتی علامتیں(Conventional Symbols):** روایتی علامتیں نسل در نسل انسانی معاشرے میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ ان میں لفظ اور شے میں بظاہرکوئی رشتہ نہیں ہوتا لیکن کثرتِ استعمال ان میں رشتہ پیدا کردتیا ہے۔ چنانچہ الفاظ کے زبان پر آتے ہی شے کے بارے میں ابلاغ ہوجاتا ہے۔ مثال کے طورپرلفظ''میز''میں اور شے'' میز ''میں معنوی طور پر کوئی رشتہ نہیں ہے لیکن ایک عرصے سے اِسے برابر میز ہی کہاجاتا ہے۔ اس لیے زبان سے لفظ ادا ہوتے ہی معلوم ہوجاتا ہے کہ اشارہ کس شے کی طرف ہے۔ یہ مثال ان علامتوں پربھی صادق آتی ہے جو کسی مخصوص زبان کے ادب میں ایک زمانے سے استعمال ہوتی چلی آرہی ہوں اور ان کے معنی قطعیت کے ساتھ متعین ہوچکے ہیں۔ مثلاً اردو، فارسی شاعری میں گل و بلبل، برق و آشیاں، دشت و جنوں وغیرہ الفاظ روایتی علامتوں کے زمرے میں آئیں گے[24]۔

۲۔ **اتفاقی علامتیں(Accidental Symbols)**: اتفاقی علامتوں میں بھی علامت اور شے میں کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ لیکن یہ روایتی علامتوں کے بالکل متضادہوتی ہیں۔ ایسی علامتیں رفتہ رفتہ جذباتی حدت سے محروم ہوجاتی ہیں

---

[23] - وزیرآغا (ڈاکٹر):اردو شاعری کا مزاج، لاہور، مکتبہ عالیہ، 1978،ص43۔

[24] - ابنِ فرید(ڈاکٹر):میں، ہم اور ادب، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ،1977، ص21-

اور صرف ذہنی یا فکری رہ جاتی ہیں۔اس کے علاوہ ان کا انفرادی تعلق کمزور ہوجاتا ہے اور اجتماعی قدر زیادہ اہم ہوجاتی ہے۔ اتفاقی علامتیں مکمل طورپر ذاتی ہوتی ہیں اور ان کی تشکیل فرد کے ہی جذباتی تجربات سے ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شخص کو کسی شہر یا گلی یا مکان کے سلسلے میں کچھ ایسا تجربہ ہوتا ہے کہ اس کا نام آتے ہی وہ منظرپوری تفصیل کے ساتھ ذہن میں ابھرآتا ہے اور جب وہ شخص اس کا ذکرکرتا ہے تو ایک خاص تاثرکے ساتھ کرتا ہے لیکن دوسرا شخص اس کے مفہوم کو اس وقت تک سمجھ نہیں سکتا جب تک اس مقام سے متعلق ان واقعات کا رشتہ واضح نہ کردیاجائے جس کا تجربہ پہلے شخص نے کیا ہے اور جن کے بارے میں وہ اپنے تاثرکا ابلاغ دوسروں تک کرنا چاہتا ہے[25]۔

۳۔ آفاقی علامتیں(Universal Symbols): آفاقی علامتوں میں علامت اور اس شے میں گہرا اٹوٹ رشتہ ہوتا ہے جس کی وہ نمائندگی کرتی ہے۔ انسان زندگی کی ارتقائی منزلوں سے گزرتے ہوئے مختلف جذباتی اور جسمانی مرحلوں سے گزرتا اور ان کے بارے میں مختلف تاثرات قائم کرتا رہا ہے۔ بقول ابنِ فرید:''اس ماحول کے بارے میں جس سے بنی نو عِ انسان کے ارتقائے حیات کا تعلق رہا ہے تمام انسانوں کے تصورات یکساں ہیں۔ مثلاً آگ، پانی، ہوا،روشنی، زمین، پہاڑ، پیڑ وغیرہ۔ اس لیے ان کے بارے میں تمام انسانوں کے ذہنی و جذباتی تجربات، تاثرات یکساں ہوتے ہیں۔ البتہ ان کے بارے میں ردِّ عمل میں تنوع دو وجوہ کی بناپرہوسکتا ہے اولاً عمرانی، ثانیاً میلانی۔ یعنی ایک معاشرے یا آبادی کے لوگ کرہ ارض کے انتہائی شمال میں رہنے کی بناپر سورج کو جمال کی علامت تصور کرتے ہوں لیکن خطِ استواپر رہنے والے لوگ اسے جلالِ محض قراردیتے ہیں۔ اسی طرح الاؤ میں جلتی ہوئی آگ نہ صرف زندگی اور جذبے کی علامت
ہوگی بلکہ رحمت و محبت کی مظہربھی۔لیکن یہی آگ بستی کو اپنے مہیب شعلوں کی لپیٹ میں لے لیتی ہے تو قہر، غضب اور نفرت کی نمائندہ بن جاتی ہے۔ غرض آفاقی علامت کے ذریعے ہم جذباتی تجربات کا مادی تجربات کی زبان میں اظہار کرتے ہیں۔ یہ زبان کسی فردتک محدود نہیں ہوتی بلکہ تمام انسانوں میں مشترک ہوتی ہے"[26]۔

اردو شاعری میں ان علامتوں کے حوالے سے معانی کی ایک وسیع کائنات منکشف ہوتی ہے تاہم اس سلسلے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ شاعر اپنی شاعری میں جذبے کا اظہار کرتا ہے لیکن اس اظہار کا ابلاغ ہونا بھی ضروری

---

[25] - ابنِ فرید(ڈاکٹر):میں، ہم اور ادب، مذکورہ کتاب، ص22.
[26] - پچھلا حوالہ، ص23.

ہے۔ ابلاغ کے لیے شاعراور قاری کے درمیان کوئی رشتہ یا تعلق ہونا چاہیے یعنی شاعر ایسی علامتیں استعمال کرے جو پڑھنے والے کو شاعر کی دنیا میں پہنچادیں اور وہ علامتیں ایسی ہوں جوقاری کے ذہن کو روشنی مہیا کریں، اسے اندھیروں میں نہ لے جائیں۔

بقول بلراج کومل: ''کامیاب شاعروں کے ہاں علامتیں نظم میں آئینوں کی طرح جڑی ہوتی ہیں۔ وہ آئینے جن میں مضمون کا عکس صاف اور شفاف دکھائی دیتا ہے۔ ناکام شاعروں کے ہاں علامتیں(انھیں وہ خالص ذاتی علامتوں کا نا م دیتے ہیں) اس قلعے کی صورت اختیار کرلیتی ہیں جن کے اندر قید کیے ہوئے لوگ باہر نہیں آسکتے اور باہر کے لوگ اندر نہیں جاسکتے۔ یہ اور بات ہے کہ قلعے کی دیواریں بظاہر حسین دکھائی دیتی ہیں"[27]۔

اردو غزل، قدیم ہو یا جدید، رمزیت، ایمائیت اور تہہ داری اس کی بنیادی خصوصیات رہی ہیں۔ شعرا یہ تہہ داری پیدا کرنے کے لیے اشارے، کنائے، تشبیہہ، استعارے اور علامت جیسے شعری وسائل سے کام لیتے رہے ہیں۔ یوں تو اعلٰی ادبی اظہار میں استعمال ہونے والے اکثر الفاظ علامتی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن غزل کی شاعری میں استعمال ہونے والے الفاظ خاص طور پر علامتی خصوصیات سے متصف ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر حامد کاشمیری علامت کو شعر کی آرائش کی بجائے اس کی خصوصیت گردانتے ہیں۔ ان کے بقول:

''یہ مسلّم ہے کہ شعر کی علامات کاری ہی تجربے کی پیچیدگی اور کثیر الجہتی میں اضافہ کرسکتی ہے، بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہے کہ شعری تجربہ شاعر کی داخلی سطح پر متنوع اور متضاد عناصر کی تطبیق کے نتیجے میں علامیت صورت اختیار کرتا ہے۔گویا علامتیت شعر کی خاصیت ہے نہ کہ اس کی آرائش یا وضع کردہ اسلوب"[28]۔

''لہٰذا غزل اور علامت نگاری کا ساتھ اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ خود غزل۔ ہر عہد کی غزل کا دامن علامتوں سے مالا مال ہے۔ گلستان کے تلازمات میں لالہ و گل، سرووشمشاد، سبزہ، بہار، خزاں، سبزہ بیگانہ چمن وغیرہ میخانے کے تلازمات میں پیرِ مغاں، ساقی، بادہ، ساغر، واعظ، محتسب، زاہد و غیر اور اسی طرح دریا، صحرا، کارواں وغیرہ اور ان کے تلازمات کا استعمال غزل میں

---

[27] - بلراج کومل :شاعری میں علامتوں کا مسئلہ، مقالہ ادبی دنیا، لاہور، شمارہ11،1968، ص-223-

28 - حامد کاشمیری، ڈاکٹر، غزل میں جدیدیت کے شعرا اردو غزل مرتبہ :کامل قریشی، ڈاکٹر، اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۸۷ء، ص ۵۴۳

علامتوں کے طور پر ہوتا رہا ہے۔ علامت کے بارے میں عمومی تصوریہ رہا ہے کہ یہ کوشش سے ایجاد نہیں کی جاتی بلکہ تمدنی ورثے سے وجود میں آتی ہے۔ کسی لفظ کے ساتھ رفتہ رفتہ کچھ قدریں اورتصورات وابستہ ہوجاتے ہیں۔ یہ تصورات علاقے، تہذیب، عقائد، معاشرت، تاریخ وغیرہ سے تعلق رکتھے ہیں۔ اور یہی تصورات لفظ کو علامتی اقدار دیتے ہیں جو اسے موقع و محل کے مطابق معنی کی نئی جہتوں سے روشناس کرتے ہیں''[29]۔

گویا علامت کی خوبی اس کی معنیاتی وسعت ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ علامت کے معنی میں پھیلاو بھی آتا ہے اور وہ تبدیل بھی ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اقبال، فیض، فرق اور دیگر شعرا نے غزل کی قدیم علامتوں کو اس انداز سے برتا کہ ان کے ساتھ نئے مفاہیم منسلک ہوئے۔ تاہم ترقی پسند تحریک کے دور تک زیادہ تر یہ اجتہاد پرانی علامتوں کے نئے معنی متعین کرنے تک ہی رہا اور نئی علامتوں کا تخلیق کا رجحان اور اس طرف خاطر خواہ پیش رفت نہیں ملتی۔

جدیدیت کی تحریک جن مغربی تحریکوں سے متاثر تھی، ان میں علامت نگاری کی تحریک کا کردار بھی بنیادی ہے۔ لہٰذا اردو میں جدیدیت جن رویوں سے متشکل ہوئی ان میں علامت نگاری کا رجحان نمایاں تر ہے۔ اس کا اثر تمام ادبی اصناف پر پڑا۔ جدید نظم اور افسانے میں علامت نگاری نے باقاعدہ ایک رجحان کی شکل اختیار کرلی۔ غزل میں یہ رجحان کسی حد تک نظم ہی کے زیرِ اثر آیا۔ یہ بات اس لیے درست معلوم ہوتی ہے کہ'' وہ بہت سے نئے حسی تصورات اور اشیا، جو نظم میں ابھری تھیں، غزل نے بھی انھیں اپنا لیا۔ لیکن غزل سے مس ہوتے ہی یہ اشیا اور مظاہر اپنی مادی، خصوصی اور اصل حیثیت میں باقی نہ رہے بلکہ غزل کے ایمائی اور رمزیہ انداز میں ڈھل گئے''[30]۔

غزل میں جدیدیت کی تحریک کا پیدا کردہ علامت نگای کا یہ رجحان غزل کی روایتی علامت نگاری سے کئی لحاظ سے مختلف ہے۔ اس ضمن میں درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ جدیدیت کی تحریک سے پہلے غزل میں علامت نگاری اس قدیم ادبی روایت کا حصہ تھی جو داستان اور دیگر قدیم ادبی اصناف میں موجود تھی جبکہ اس تحریک میں پیدا ہونے والے علامت نگاری کے رجحان کے ڈانڈے یورپی اور خاص طور پر فرانسیسی علامت نگار ار ابہام پسند شعرا سے ملتے ہیں۔

---

[29] ۔شارب ردولوی، ڈاکٹر، جدید غزل میں علامت نگاری مشمولہ اردو غزل مرتبہ :کامل قریشی، ڈاکٹر، ص 923 -

[30] - وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو شاعری کا مزاج، مکتبہ عالیہ، لاہور،۱۹۹۹ء ص ۹۹۲ -

۲۔ قدیم اور مروج علامتیں فارسی غزل کے اثرات کا نتیجہ تھیں، لہٰذا ان کو سمجھنے کے لیے فارسی روایت سے آگاہی ضروری تھی جبکہ علامت نگاری کا رجحان مغربی اثرات کا نتیجہ تھیں، لہٰذا اس کی تشکیل، تفہیم اور پرکھ کے لیے بھی مغربی تنقیدی اصول ہی سامنے رکھے گئے۔

۳۔ اس رجحان کے تحت شعرا نے روایتی علامتوں کے صرف معنی ہی سے بغاوت نہیں کی بلکہ خود علامتوں کو ہی یکسر ترک کرکے نئی علامتوں کی تشکیل کی طرف قدم بڑھائے۔

۴۔ اس تشکیل میں فارسی روایت کے زیرِ اثر ایرانی تہذیبی مظاہر کی بجائے مقامی فضا اور ارد گرد کے ماحول سے علامتیں اخذ کرنے کا رویہ پیدا ہوا۔

۵۔ اجتماعی علامتوں کے ساتھ ساتھ علامت نگاری کی مغربی تحریک کے طرز پر ذات اور شخصی علامیتں بنانے کی کوشش کی گئی[31]۔

غزل میں ان نئی علامتوں کے حوالے سے ڈاکٹر وزیرآغا رقم طرز ہیں:''موجودہ دور میں جب غزل گو شاعر نے جملہ حسیات کے برانگیختہ ہونے کے باعث اپنی دھرتی کو بغور دیکھا تو بہت سی قریبی اشیا اور مظاہر نئے علائم میں ڈھل کر غزل کا جزوِ بدن بننے لگے۔ مثلاً جدید تر غزل میں پیڑ، جنگل، پتھر، برف، گھر، شہر، پتے، شاخیں،دھوپ،سورج دھواں،زمین، آندھی، سانپ، کھڑکی، دیوار، منڈیر، گلی، کبوتر، دھول، رات، چاندنی اور درجنوں دوسرے الفاظ اپنے تازہ علامتی رنگوں میں ابھر آئے ان لفظوں کی اہمیت اس بات میں ہے کہ یہ اپنے ماحول کے عکاس ہیں اور زمین کی باس اور رنگ کو قاری تک پہنچاتے ہیں"[32]۔

اگرچہ ارد گرد کے اشیا و مظاہر کو علامتی انداز میں اپنانے کے اس عمل کا ایک محرک قدیم سے بغاوت اور جدید کی تشکیل کی کوشش بھی تھا، لیکن اس کی دوسری اہم وجہ معروضی قربت بھی ہے۔ اپنی ذہنی کیفیات اور جذباتی صورت حال کے اظہار کے شعرا نے ان قدیم علامات کی نسبت، جن کا عملی زندگی سے تعلق معدوم ہوچکا تھا، اپنے ماحول کی اشیا کو ہی بہتر وسیلہ سمجھا۔ اس حوالے سے خلیل الرحمٰن اعظمی لکھتے ہیں: ''چونکہ جدید تر غزل جدید تر ذہنی کیفیات اور طرزِ احساس کی پیداوار ہے، اس لیے اس غزل میں ہمیں ایک نئی فضا اور ایک نیا ذائقہ ملتا ہے۔ اس غزل میں پرانی علامتوں کی تکرار اور گھسے پٹے تلازموں کے بجائے تازہ علامتیں اور الفاظ کے نئے تلازمے ملتے ہیں۔ یہ الفاظ اور علامتیں ہمیں ہر جگہ زندہ اور محسوس شکل میں

[31] ۔ جیلانی کامران :شاعری میں علامتوں کا مسئلہ، مقالہ، مشمولہ ادبی دنیا، لاہور، شمارہ11،1968،ص233۔

[32] ۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو شاعری کا مزاج، مکتبہ عالیہ، لاہور،۱۹۹۱ء ص 692۔

دکھائی دیتی ہیں۔ دن، رات، اندھیرا، اجالا، سورج، چاند، شام، سناٹا، تنہائی، چراغ پتّا، ٹہنی، فصیل، حصار، سمندر، بادبان، جزیرہ ابر، پتھر، خاک، ریت، راکھ اور اس طرح کے بہت سے الفاظ غزل میں ایک نئی معنویت کے ساتھ استعمال کیے گئے ہیں۔ اس طرح کہ غزل کی لفظیات اور اس کی مخصوص فضا بالکل بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہے [33]''۔

علامت نگاری کے رجحان کے نمائندہ شعرا کی تخصیص بہت مشکل ہے کیونکہ اس دور کے تقریباً ہر شاعر کے ہاں یہ کوشش نظر آتی ہے۔ چند شعرا کے ہاں اس رویے کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

خوشبو کی دیوار کے پیچھے کیسے کیسے رنگ جمے ہیں
جب تک دن کا سورج آئے اس کا کھوج لگاتے رہنا (منیر نیازی)

آندھی کو پہنچنے لگے پتوں کے بلاوے
اپنوں سے رہے شاخِ ثمردار خبردار (مظفر حنفی)

میں گھر کی روشنی ہوں مجھے محفلوں سے کیا
چہروں کے میکدوں میں نہ دینا صدا مجھے (کشور ناہید)

چلی ہے تھام کے بادل کے ہاتھ کو خوشبو
ہوا کے ساتھ سفر کا معاملہ ٹھہرا (پروین شاکر)([34])

[33] - خلیل الرحمٰن اعظمی، دید تر غز ل مطبوعہ فنون لاہور، جدید غزل نمبر،9691 ء ص 27-
[34] - شارب ردولوی، ایك سابق حوالہ، ص 925-

دوسرا حصہ
وسیم بریلوی کی غزل میں علامت نگاری کا رجحان

وسیم بریلوی اردو غزل کا ایك ایسا معتبر نام ہے جس نے اردو غزل کو پوری دنیا میں اپنے بہترین معیار اور وقار کے ساتھ روشناس کرایا ہے اس لیے کہ اکثر مشاعروں کے ذریعے بیرونی ممالك میں ایسی غزل پیش کی جاتی رہی ہے کہ جسے غزل بھی کہنا غزل کی توہین ہے ایسی غیر معیاری شاعری اسٹیج کے ذریعہ پیش کی جاتی رہی ہے کہ جسے سن کر لوگوں نے یہی سمجھ لیا کہ اردو شاعری کا بس یہی معیار ہے لیکن اسی اسٹیج سے پروفیسر وسیم بریلوی نے اپنی معیاری شاعری سے اردو غزل کے معیار ووقار میں اضافہ کیا ہے ، غزل کے سچے مزاج داں وسیم بریلوی نے اردو غزل کی گویا اس عہد میں لاج رکھی ہے جب چاروں طرف سے غزل پر یلغار کی جا رہی تھی اور غزل کا حلیہ بگاڑنے میں لوگ پیش پیش تھے اگر ایسے ماحول میں وسیم بریلوی جیسے شاعر نہ ہوتے تو اردو غزل کا بیڑا ہی غرق ہوجاتا میر تقی میر اور غالب کی روایت کو آگے بڑھانے میں وسیم بریلوی کا سب سے بڑا رول ہے کہ انھوں نے غزل کو اپنے مخصوص لہجے اور نرم ونازك الفاظ سے ایك ایسی بلندی عطا کی ہے جس پر بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں ، لہجے کی نرمی اور سادگی کے لحاظ سے وسیم بریلوی اور دکھ بھرے لہجے کی وجہ سے اور اپنے معاصرین میں خاص انفرادیت رکھتے ہیں [35]۔

لیکن وسیم بریلوی کی غزل کی بنیادی اہمیت یہ ہے کہ ا نھوں نے خود علامتیں وضع کیں۔ ان علامتوں میں کچھ تو مشرقی تہذیب کو ظاہر کرتی ہیں، کچھ مشرقی روایات کی غماز ہیں اور کچھ علامتیں اورعربی روایت کو ظاہرکرتی ہیں۔ مثلاً: "حیات"، " احساس"، وہ ان کی بہت خوبصورت غزل کہتے ہیں:

جو مجھ میں تجھ چلا آ رہا ہے صدیوں سے
کہیں حیات اسی فاصلے کا نام نہ ہو

...

میرا احساس صدیوں پہ پھیلا ہوا
ایك آنسو جو پلکیں بدلتا رہا [36]

مشرق کا وہ سحر ہے جس کے زیراثر مشرقی نوجوان نے اپنا حلیہ بدل ڈالا۔ یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ مشرق کے جذباتی استحصال کی علامت ہے۔

---

[35] - ایضًا خواجہ محمد اکرام الدین، ایك سابق حوالہ، ص 227.
[36] - پچھلا حوالہ ، ص 227.

اسی طرح مشرقی تہذیب کے حوالے سے وسیم بریلوی کے یہاں''زمانہ ''کی علامت ابھرتی ہے۔ وسیم کے نزدیک زمانے کی مادی تعلیم، انسانی روح کو مُردہ کردیتی ہے اور اس کے ذہن کو زنگ لگادیتی ہے۔ اس سے چندمادی فوائد تو حاصل ہوسکتے ہیں لیکن مذہبی اقدار کا مکمل طورپر خاتمہ ہوجاتا ہے۔

مشرق کے حوالے سے نمایاں ہونے والی مزیدعلامات میں وسیم کے یہاں " زمانہ ، اہمیت،شرافت، محبت، شریفوں، آنکھوں، معصومیت" وغیرہ جیسے الفاظ نظر آتے ہیں جو لغوی معنوں میں استعمال نہیں ہوتے بلکہ علامتی انداز میں برتے گئے ہیں۔

شرافتوں کی یہاں کوئی اہمیت ہی نہیں
کسی کا کچھ نہ بگاڑ و تو کون ڈرتا ہے

...

اس زمانے کا بڑا کیسے بنوں
اتنا چھوٹا پن مرے بس میں نہیں[37]

اسی طرح کہ یہ ان کے اشعار میں زندگی کے حقائق کی صورت میں سامنے آتے ہیں :

محبت کے یہ آنسو ہیں انھیں آنکھوں رہنے دو
شریفوں کے گھروں کا مسئلہ باہر نہیں جاتا

...

جانے کیا ہوگئی اس کی معصومیت
اب یہ بچہ دھماکوں سے ڈرتا نہیں [38]

یہ تجربات ومحسوسات بھی وسیم کے واردات قلبی اور درد انگیز مضامین کے علاوہ وسیم نے بعض نئے موضوعات پر بھی شعر کہے ہیں- ایسے مقامات پر انہوں نے غزل کے حسن اور اس کی روایتوں کا پورا لحاظ رکھا ہے اور اپنے تجربات ومحسوسات کو اپنی انفرادیت کی تشکیل کا ایك اہم ذریعہ بنایا ہے – یہ تجربات ومحسوسات بھی وسیم کے خود اپنے ہیں:

رات بھر آنسوؤں سے جو لکھی گئی
صبح کو اُس کہانی کا سودا ہوا

...

بس وہی اب ہوا کی نگاہوں میں ہیں

---

[37] - ایضًا خواجہ محمد اکرام الدین ، ایك سابق حوالہ ، ص 111.
[38] - پچھلا حوالہ ، ص 112.

جن چراغوں میں کچھ روشنی رہ گئی [39]

ان اشعار میں معنی کا کثیرالجہاتی عمل کارفرما ہے۔ مثلاً شعرمیں رات بھر اور جو آنسوؤں سے لکھی گئی تھی مطلب یہ محبوب کی طرف، اور عاشق کی طرف سے دنیا کی طرف ذہن منتقل ومتبدل ہوتا ہے۔ یعنی اس دنیا میں محبوب کی جفاؤں کے مقابل عاشق کی وفا کی نوعیت یہ ہے کہ وہ بالآخرصبح میں فنا ومتبدل ہوجاتا ہے۔ اور اس سے آگے چلیں تو چراغوں سے مراد حاکمِ شہر، جو لکھی گئی تھی سے مراد رعایا یا عوام کے واردات قلبی اور آنسوؤں کا استعارہ ٹھہرتا ہے۔ اس سے مزید آگے بڑھیں تو کہانی مطلق کی علامت ہے یعنی عوامی لوگ حاکم کے سامنے اس حد تک مجبور ہیں –

وسیم بریلوی کی غزل میں علامت کی نازك خیالی کے صفات بھی جا بجا موجود ہیں، چونکہ ان کی جدید تر غزل جدید تر ذہنی کیفیات اور طرز احساس کی پیداوار ہے، اس لیے اگلی غزل میں ہمیں ایک نئی فضا اور ایک نیا ذائقہ ملتی ہے۔ ہم اس غزل میں پرانی علامتوں کی تکرار اور گھسے پٹے تلازموں کے بجائے تازہ علامتیں اور الفاظ کے نئے تلازمے ملتے ہیں۔ یہ الفاظ اور علامتیں ہمیں ہر جگہ زندہ اور محسوس شکل میں دکھائی دیتی ہیں۔ **آنکھ ، خواب، نیند، اکیلا، خفا، بات ، اداس، سبب، جدا، چراغ،** اور اس طرح کے بہت سے الفاظ غزل میں ایک نئی معنویت کے ساتھ استعمال کیے گئے ہیں۔ اس طرح کہ غزل کی لفظیات اور اس کی مخصوص فضا بالکل بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہے، ان کے چند اشعار دیکھیں :

میری آنکھوں کو یہ سب کون بتانے دیگا
خواب جس کے ہیں ، وہی نیند نہ آنے دیگا
ان دنوں کس قدر اکیلا ہوں
کوئی مجھ سے خفا نہیں ہوتا
ہنسی جب آئے ، کسی بات پر ہی آتی ہے
اداس ہونے کا اکثر سبب نہیں ہوتا
مرے چراغ الگ ہوں ترے چراغ الگ
مگر اُجالا تو پھر بھی جدا نہیں ہوتا [40]

ان کے علاوہ ذیل میں چند اشعار درج کر رہی ہوں جن کے آگے شعر کے مضامین درج ہیں ان کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ وسیم بریلوی کے یہاں شاعری محض مشاعرہ بازی نہیں ہے بلکہ وہ شاعری ہے جو ادب میں ایك مقام کی حامل ہے ، کیونکہ انہوں نے اپنی جدید غزل میں علامتوں کی نئی

[39] - ایضًا خواجہ محمد اکرام الدین، ایك سابق حوالہ، ص 115.
[40] - ایضًا خواجہ محمد اکرام الدین، ایك سابق حوالہ، ص 145-

معنویت اور نئی جہتوں کو پیش کیاہے جس میں ایک طرف زندگی کی تازگی، اور اپنے اہل وطن سے قربت ہے تو دوسری طرف انسان کی ریا کاری ومکاری اور سیاسی مکاریوں پہ طنز کی وہ تصویر بھی ہے جو **بساط، سمجھنا، کوشش کرنا، صرف، خدا، جاننا، بچے، آنسو، لفافے ، ٹکٹ،** وغیرہ کے تلازمات اور علامتوں سے سامنے آتے ہیں اور فکر و اظہا ر کی نئی بصیرت کو پیش کرتے ہیں جیسے وہ کہتے ہیں:

بساط بھر تو سمجھنے کی سب نے کوشش کی
مگر یہ صرف خدا جانتا ہے تم کیا ہو
مرے بچوں کے آنسو پوچھ دینا
لفافے کا ٹکٹ جاری نہ کرنا (41)

وسیم بریلوی کے خیال میں غزل ہر دور میں اپنا مزاج بدلتی رہتی ہے اس لیے اس کی علامات کے معنی اور مفہوم میں بھی تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ اس کے برعکس سماجی کی علامات متعین ہوتی ہیں- جیسے عزم وحوصلہ اور حالات حاضرہ کی علامات وتلازمات جیسی **دعا ، سلامت، ہمت، چراغ، آندھی، راستہ، سفر ، حوصلہ** ، وغیرہ، کی علامتوں سے سامنے آتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

دعا کرو کہ سلامت رہے مری ہمت
یہ اك چراغ کئی آندھیوں پر بھاری ہے
آج کل کے راستوں کی بے یقینی دیکھ کر
کون ہے جس میں سفر کا حوصلہ رہ جائیگا (42)

ان کے نزدیک غزل میں مستعمل علامتیں قدیم دور سے لے کر اب تک ایک ہی مفہوم میں استعمال ہوتی چلی آرہی ہیں جیسے عشق حقیقی کی علامتیں جیسی **خیال ،عجیب ، جادو، عمر، زندگی** اور موت کا تصور کی علامتیں جیسی **گم ہونا، گھر لوٹنے، وقت، سر پہ،** بھی موجود ہیں:

ترا خیال بھی کیسا عجیب جادو ہے
جو ساری عمر مری زندگی پہ چلتا ہے
میلے کی رونقوں میں بہت گم تو ہو وسیم
گھر لوٹنے کا وقت میاں سر پہ آ گیا(43)

ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ یہ خیال ظاہرکرتے ہیں کہ المیہ کا مسلم قوم، احوال واقعی اور عہد حاضر کا المیہ کی علامتیں جیسے **دست ، خوف،**

41 - پچھلا حوالہ، ص 146-
42 - ایضًا خواجہ محمد اکرام الدین، ایك سابق حوالہ، ص 147
43 - پچھلا حوالہ ، ص 148-

حادثہ، لہو، قلم، ترجمان، دور، آنسو، زبان، صبح، شام، نظر، جیتنا،اترجانا، مرجانے کے الفاظ اور علامات کا تاثراجتماعی جبکہ شاعر کی تخلیق کردہ علامات کا کردار اور تاثر انفرادی اور شخصی ہوتا ہے:

مجھے بے دست وپا کر کے بھی خوف اسکا نہیں جاتا
کہیں بھی حادثہ گزرے وہ مجھ سے جوڑ دیتا ہے

...

لہو نہ ہو تو قلم ترجمان نہیں ہوتا
ہمارے دور میں آنسو زبان نہیں ہوتا

...

شام تك صبح کی نظروں سے اتر جاتے ہیں
اتنے سمجھو توں پہ جیتے ہیں کہ مرجاتے ہیں (44)

وسیم نے علامت کو اپنے دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی اہمیت پرزوردیا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ جدیدانسان اپنی شاعری میں موجود ماحول اور زندگی سے علامتیں اخذکرکے استعمال کرے۔ ان کے خیال میں عالمی صداقت ، انسانی معاشرہ اور اس کی مجبوریاں، دنیا کے شور وہنگامے، انسانی کی کج فہمی، بے نیازی کی علامتیں جیسے **جھوٹ، سچائی، دریا، قطرہ، تنہا، بھروسہ، دکھ ، سزا، یار، زمیں ، رشتہ ، کٹ جانا، دنیا،محدود، درد** کے الفاظ بھی ملتے ہیں:

عالمی صداقت:

چا ہے جتنا بھی بگڑ جائے زمانے کا چلن
جھوٹ سے ہارتے دیکھا نہیں سچائی کو

انسانی معاشرہ اور اس کی مجبوریاں :

سہارا لینا ہی پڑتا ہے مجھ کو دریا کا
میں ایك قطرہ ہوں تنہا تو بہہ نہیں سکتا

دنیا کے شور وہنگامے :

کوئی منظر بھروسے کے قابل نہیں
تیری آنکھوں کا دکھ اور بڑھ جائیگا

انسانی کی کج فہمی:

ملی ہوا میں اڑنے کی وہ سزا یارو
کہ میں زمین کے رشتوں سے کٹ گیا یارو

بے نیازی:

وسیم اس سے کہو دنیا بہت محدود ہے میری

---

44 - پچھلا حوالہ ، ص 147-

کسی در کا جو ہو جائے وہ پھر در در نہیں جاتا [45]

ہم سب کو اکثر ایسے اشعارمیں علامتیں مل جائیں گے جن میں فکر وخیال کی گہرائی وگیرائی نظر آتی ہے جسی مسلسل جستجو، سیاسی احوال، فن کی پاسداری، کی علامتوں کے الفاظ جیسے فضا، اڑنا، فطرت، پرندہ، شاخ، شجر، زخم ، خواب، ارزاں، بہنا، غداری، غزل، اداکاری، پڑھنا، لیکن اسلوب وہی سادہ ہے جو اکثر سہل ممتنع کے زمرے میں آتا ہے - وہ کہتے ہیں:

مسلسل جستجو:

کھلی فضاؤں میں اڑنا تو اس کی فطرت ہے
پرندہ کیوں کسی شاخ شجر کا ہو جائے

سیاسی احوال:

آج بھی ان خوابوں سا ارزاں کوئی نہیں
کل بھی میرے زخم بھنائے جاتے تھے

فن کی پاسداری :

کبھی لفظوں سے غداری نہ کرنا
غزل پڑھنا ادا کاری نہ کرنا [46]

اس عرصے میں اپنے مخصوص اسلوب کے ساتھ غزلیں کہنے والوں میں وسیم بریلوی کا ایك انفرادیت نام رکھتی – روایات کے حسن اور احساس کی وضع داری اور اپنی ذات اور احساسات کے اظہار کے لیے انھوں نے مخصوص علامتوں اور استعاروں کو مثلا " **درد، پھول، زمین، آنسو**" وغیرہ کو خصوصیت کے ساتھ استعمال کیا ہے ، تنہائی کا احساس اور ایك افسردگی سی بالعموم ان کی غزلوں پر طاری رہتی ہے اور کہیں کہیں میر کا اثر وانداز بھی جھلکتا ہے جیسے:

مجھے بجھا دے مرا درد مختصر کر دے
مگر دئیے کی طرح مجھ کو معتبر کر دے
وسیم کس نے کہا تھا کہ غزل یوں غزل کہہ کر
یہ پھول جیسی زمین آنسوؤں سے تر کردے [47]

وسیم بریلوی کی غزلوں میں علامت نگاری کے رجحان کی شدت احساس اور ندرت فکر کی اچھی مثالیں ہیں – ان میں حسن وعشق کی متنوع کیفیات ، جذبات خیال وفکر اور نازك ولطیف احساسات کی مختلف صورتیں نظر آتی ہیں اور اسلوب سادہ اور دلنشیں رہتا ہے اور متنوع انسانی احساسات کی

[45] -ایضًا خواجہ محمد اکرام الدین، ایك سابق حوالہ، ص 149-
[46] - ایضًا خواجہ محمد اکرام الدین، ایك سابق حوالہ، ص 150-
[47] - پچھلا حوالہ ، ص 230

عکاسی کرتے رہے ، اور زندگی کے متنوع مضامین بھی ان کی غزلوں کا موضوع بنے ہیں ، جیسے :

اصولوں پر جہاں آنچ آئے ٹکرانا ضروری ہے
جو زندہ ہو تو پھر زندہ نظر آنا ضروری ہے
بہت بیباك آنکھوں میں تعلق ٹك نہیں پاتا
محبت میں کشش رکھنے کو شر مانا ضروری ہے (48)

وسیم بریلوی جدید ادبی رجحانات اور رویوں سے واقف ذہین اور باخبر شاعر ہے ان کی غزلوں میں قدیم اور جدید علامتیں جیسی " **خشك، مٹی، پاؤں، دریا، امید**" کا اظہار وبیان کی دلکشی اور تازگی محسوس کی جا سکتی ہے – مضامین میں ندرت اور تاثیر نہ ہونے کے باوجود ان کے اشعار جاذب توجہ ہوتے ہیں :

خشك مٹی ہی نے جب پاؤں جمانے نہ دئیے
بہتے دریا سے پھر اُمید کوئی کیا رکھے (49)

علامتوں اور استعاروں کے لباس میں لپٹا ایك گھریلو احساس ، جسے وسیم بریلوی نے کس سلیقے سے شعر کے پیکر میں ڈھال دیا ہے – یہ صرف محسوس کرنے کی بات ہے میں یہاں شعر کی وضاحت سے گزیر کرتی ہوں اور تفہیم کا سرا آپ کے ہاتھوں میں تھما دیتی ہوں:

تھکے ہارے پرندے جب بسیرے کے لیے لوٹیں
سلیقہ مند شاخوں کا لچك جانا ضروری ہے (50)

شاعری میں علامتی نظام کے خلاف نہیں ہونا چاہیے ۔ علامت ایک مستحسن چیز ہے تاہم علامتیں ایسی ہونی چاہیے جنھیں قاری سمجھے۔ بعید از فہم علامتوں سے ترسیل وابلاغ کی ناکامی کا اندیشہ رہتاہے۔ یوں ابہام کو راہ ملتی ہے لہٰذا علامت کو اجتماعی ہونا چاہیے ذاتی نہیں۔ مطلب یہ کہ علامت سے صرف شاعر ہی واقف نہ ہو بلکہ قاری بھی واقف ہوتا۔

میں دیکھتی ہوں کہ جدید شاعر اپنا رشتہ پرانی غزل کے بعض علامتی ادیبوں یا شاعروں سے زبر دستی جوڑتاہے اور میر وغالب کے افکار سے متاثر ہونا غلط بات نہیں ہے، لیکن جدید شاعر نئے پن یا جدت لانے میں خاصا جلد باز اور پریشان نظر آتاہے۔ اس لیے پیچیدگی اور ابہام نے جدید شاعری کو خاصا نقصان پہنچایا ۔لیکن وسیم بریلوی علامتوں کی اہمیت پر یوں روشنی ڈالتے ہیں جب وہ غیر مانوسیت کے احساسات وجذبات کی علامتوں کے

---

48 - ایضًا خواجہ محمد اکرام الدین ، ایك سابق حوالہ، ص 183.
49 - پچھلا حوالہ ، ص 107.
50 - پچھلا حوالہ ، ص 207.

الفاظ جیسے **چھوڑنا، خطا، مرارت، دھونڈنا، چراغ، طوفان** سے گذرتاہے ۔اس سلسلے میں وسیم بریلوی رقمطراز ہیں :

تو چھوڑ رہا ہے تو خطا اس میں تری کیا
ہر شخص مرا ساتھ نبھا بھی نہیں سکتا
گھر ڈھونڈ رہے ہیں مرا رتوں کے پجاری
میں ہوں کہ چراغوں کو بجھا بھی نہیں سکتا
ویسے تو اك آنسو ہی بہا کر مجھے لے جائے
ایسے کوئی طوفان ہلا بھی نہیں سکتا (51)

....

شاعر کو چاہیے کہ جن علامتوں کو وہ استعمال میں لائے ان کا زندگی اور سماج سے گہر اتعلق ضرور ہو۔ یہ بات مصنف کے زندہ احساس او رشعور کی علامت ہے۔ علامتوں کے بغیر عظیم ادب کی تخلیق ممکن نہیں۔اس بارے میں وسیم بریلوی کہتے ہیں:

لوگ کچھ بھی کہیں اور میں چپ رہوں
یہ سلیقہ مجھے جانے کب آئے گا

...

ہوا میں اُڑنے کی دھن نے یہ دن دکھایا تھا
اُڑان میری تھی لیکن سفر پرایا تھا (52)

...

دراصل شاعر وسیم بریلوی نے پرانی علامتوں کوا پنی ذہنی کیفیات کے اظہار کے لیے کافی سمجھ کرخود اپنے ماحول اور قریبی زندگی سے علامتیں وضع کی ہیں اور اس نے اس سلسلے میں خود اپنے حواس خمسہ کو اپنا رہ نما بنایا ہے اس عمل میں اردو غزل اپنی دھرتی سے بہت قریب آگئی ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ اردو غزل کی تاریخ میں یہ اگلی قدم ہے اردو غزل میں علامت کے استعمال کی **نفسیاتی توجیہ** کرتے ہوئے وسیم بریلوی لکھتے ہیں:

مفلسی میں جو ہر ناموس کی قیمت نہیں
چیتھڑوں میں ہو اگر عصمت تو پھر عصمت نہیں
شہر کے تہذیب داروں کی نظر میں بھائیو
اك غریب انسان کی عزت کوئی عزت نہیں (53)

---

[51] - ایضًا خواجہ محمد اکرام الدین، ایك سابق حوالہ ، ص 213.
[52] - پچھلا حوالہ، ص 88-89.
[53] - پچھلا حوالہ ، ص 308.

مختصر یہ کہ وسیم بریلوی عہد حاضر کے نمائندہ شاعر ہیں جنہوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ نہ صرف صالح ادب کے فروغ میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں بلکہ اپنی شاعری کو سماج اور عہد کے کرب کا عکاس بھی بنایا ہے - ان کی شاعری اسلاف کی روایات کی امین بھی ہے اور نئی نسل کے لیے مشعل راہ بھی- شائستگی اور نرمی ان کے لب ولہجی کا نمایاں وصف ہے – سہل ممتنع کی خوبصورت مثالیں ان کی شاعری میں جا بجا موجود ہیں اسی لیے ان کے اکثر اشعار زبان زد خاص وعام ہیں –تصنع اور ریا سے پاك وسیم بریلوی کی شاعری خود ان کی شخصیت کا عکس ہے –

مقالے کے نتائج

- جدیدیت کی تحریک نے اردو غزل میں نئی علامتوں کی تشکیل کو رواج دے کر غزل کو اپنے قرب و جوار کی زندگی سے تخلیق رابطہ استوار کرنے میں مدد دی ہے-
- ان نئی علامتوں نے اپنے گرد نئی فکری جہتوں اور جدید شعری اطراف کا ایک حلقہ بنالیا ہے جو برابر فانوسِ خیال کی طرح گردش میں رہتا ہے
- وسیم ؔ نے ترقی پسندی کے دور میں آنکھیں کھولیں،جدیدیت کا عروج و زوال دیکھا، مابعد جدید رجحانات کا زمانہ بھی دیکھ رہے ہیں-
- متعدد نئے شعراء جو ہندستان کے بیس تیس سالوں میں ابھرے غزل کے علامتی اسلوب کو مزید مستحکم کر رہے ہیں-
- غزل میں وسیم بریلوی نے اہلِ سیاست کو سیاست کا گردیا، اہلِ علم کو سچی علمیت سے آگاہ کیا، مجبوروں اور بے کسوں کی دادرسی کرتے ہوئے حقیقت کو اس انداز سے آشکار کیا کہ پتھر دل انسان کی آنکھیں بھی اشک بار ہوجائیں-
- وسیم کی غزل میں داستانوی علائم سے گہرے ربط کا اظہار ہے اور ان علامات کے حوالے سے شخصی اور اجتماعی لاشعور، معاشرتی صورت حال، سیاسی منظر نامے اور زندگی کے دوسرے مسائل اور وارداتوں کے بیان کی متنوع صورتیں موجودہیں-

خاتمہ

مجموعی طور پر نئی علامتوں کے وسیلے سے جدید غزل نے اپنی معنوی تمازت میں اضافہ کیا ہے- احساس کی پیچیدگی اور شدت اور جذبے کے خلوص و صداقت کی ترسیل جس انداز سے ان علائم کے ذریعے ہوئی ہے، انگاری کے اس رجحان کے تحت ارد گرد کے مظاہر سے متعلق عمومی علامتوں کی تشکیل کے علاوہ شعرا کے ہاں علائم کے بعض مخصوص دائرے بھی ملتے ہیں-

علامت نگاری ایک پیچیدہ اور تہ دار عمل ہے۔ جہاں معانی کی بے شمار سطحیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ وسیم جس طرح کے سادہ اور اکہرے طرز اظہار کا تقاضا کرتے ہیں وہ علامت کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ وسیم کا زور معانی پر ہے جبکہ علامت میں لفظ بھی اہمیت رکھتا ہے بلکہ یہ علامتی الفاظ ہی ہوتے ہیں جو شعر کو کثیرالجہات بناتے ہیں۔ علامت کے حوالے سے شعر میں معانی کی ہمہ رنگ چھوٹ پڑتی ہے۔ اس عمل میں بعض اوقات اشکال کا احساس بھی ہوتا ہے لیکن وسیم کے نزدیک عمدہ غزل کی خوبی یہ ہے کہ وہ سریع الفہم ہو۔

گزشتہ صفحوں میں جن علامتوں کا ذکر ہوا ہے یہ تکوین کائنات کے عناصر اور فطرت کے وہ مظاہر ہیں جن کا انسان کے ساتھ بہت گہر اتعلق ہے۔ چنانچہ اردو کی معاصر غزل میں شاید ہی کوئی ایسا شاعر رہا ہو جس نے کسی نہ کسی سطح پر ان علامتوں سے فائدہ اٹھاکر کائنات اور انسان اور فطرت کے باہمی تعلق کو بیان نہ کیا ہو۔ ان علامتوں کے علاوہ ہماری شعری روایت میں سیاست،معاشرت اور تہذیب کے حوالے سے بھی علامتوں کا طویل سلسلہ ملتا ہے۔ اسی طرح جدید غزل کے لیے علامتوں کے مسئلے نے بھی خاص اہمیت اختیار کر لی ہے، بعض نئے شاعروں نے نئی علامتوں کی جستجو کی بھی، مگر غزل میں عموما پرانی تلمیحات اور پرانے اشارے ہی مؤثر رہے ہیں- اسی کے ساتھ ساتھ زبان میں سادگی اور بیان میں اجمال کی صورتیں بھی پیدا ہوئیں، مگر بڑے شاعروں سے قطع نظر اکثر یہ محسوس ہوتا ہے کہ غزل ان بلاغتوں سے محروم جا رہی ہے جو پرانی غزل کا امتیاز تھا۔

جدید شاعروں کے ہاں بیان کے جملہ سانچے اور اسالیب کمزور ہوتے جا رہے ہی اور مناسب لفظ وتراکیب ان شاعروں کے دائرہ اختیار سے باہر ہوتی جا رہی ہیں- الفاظ کی شیرینی اور روز مرہ ومحاورے جن سے غزل کی ایمائیت میں حسن پیدا ہوتا ہے جدید شاعروں کے کلام میں خال خال نظر آتے ہیں- علامتوں کے رشتے سے بیشتر جدید شاعروں نے اپنے ماحول سے علامتیں اخذ کرنے کا ایك واضح رجحان عام ہوا۔

حوالہ جات کی فہرست

1. ابواللیث صدیقی(ڈاکٹر)، آج کا اردو ادب، مطبوعہ فیروز سنز لیمٹڈ، لاہور، پاکستان1990ء-
2. آفات حسین، جدید اردو غزل میں داستانوی علائم مطبوعہ ماہِ نو لاہور، اپریل ۷۸۹۱ء-
3. بلراج کومل :شاعری میں علامتوں کا مسئلہ، مقالہ ادبی دنیا، لاہور، شمارہ11،1968ء-
4. حامد کاشمیری، ڈاکٹر، غزل میں جدیدیت کے شعرااردو غزل مرتبہ :کامل قریشی، ڈاکٹر، اردو اکادمی، دہلی، ۷۸۹۱ء، ص ۵۴۳
5. خلیل الرحمٰن اعظمی، دید تر غز ل مطبوعہ فنون لاہور، جدید غزل نمبر، ۹۶۹۱ء
6. خواجہ محمد اکرام الدین (پروفیسر)، وسیم بریلوی کی شاعری فکری اور فنی جہات، براؤن بك پبلی کیشنز، نئی دھلی، 2016ء-
7. سید سراج الدین اجمالی (ڈاکٹر) ترقی پسند تحریك اور اردو غزل، انجمن ترقی اردو، ہند، نئی دھلی، 1996ء-
8. سید عاشور کاظمي، قمر رئیس(ڈاکٹر) ترقي پسند ادب پچاس سالہ سفر، ایجوکیشنل ہاوس، دهلي، 1994م.
9. شارب ردولوی، ڈاکٹر، جدید غزل میں علامت نگاری مشمولہ اردو غزل مرتبہ :کامل قریشی، ڈاکٹر، ص ۹۲۳
10. عبادت بریلوی (ڈاکٹر)، غزل اور مطالعہ ءغزل، ایجوکیشنل بك ہاوس علی گڑ ھ ، انڈیا، 1979ء-
11. عبدالمتین عارف :امکانات، لاہور، ٹیکنیکل پبلشرز، اردوبازار، 1975،ص-135-
12. علی احمد جلیل(ڈاکٹر)، نئی غزل اور عشقیہ شاعری، انڈیا، 2004ء-
13. عنوان جشتی (ڈاکٹر)، اردو شاعری میں ہیئت کے تجربے، انجمن ترقی اردو، هند، دلی، نئی دھلی، جولائی 1975ء.
14. فرمان فتح بوری، اردوکا شاعری کا فنی ارتقا، الهند1994ء.
15. ممتاز الحق، (ڈاکٹر)، اردو غزل کی روایات اور ترقی پسند غزل، معیار پبلی کیشنز، انڈیا، 1999ء-
16. محمد الرابع الحسيني الندوي، الغزل الأردي محاوره ومكانته في الشعر، مكتبة رابطة الأدب الإسلامي بالهند 2006م.
17. وزیر اغا (ڈاکٹر)،اردو شاعری کا مزاج، لاهور، باکستان، 1999ء-

18. وليد قصـاب، منـاهج النقـد الأدبـي ، وليـد قصـاب ، دار الفكـر ، دمشـق، ط1 2007.

1. The New Encyclopedia of Britannica: London. 15th Edition, Vol 17, 1973-74.
2. The Encyclopedia of Americana, Grolier Incorporated, Danbury, Vol.26, 1972.
3. William York Tindall: The Literary Symbol: 1962, amazon .com: books.

- www.urduchanel.in.com
- www. Archive .urdu .com
- www. Rekhta.com.
- www.alarabimag.com
- www.sharjah.ac.ASR.PAGES.COM
- www. Arabtexts.com
- www.journals.elsevier.com

Symbolic language in Wasim Barelvi's Gazal

Abstract

Symbolic language is one of the major characteristics of Wasim Barelvi's Gazal throughout its poetry. Urdu Gazal has used different types of symbols extracted from its contemporary social and cultural environment. Same can be seen in modern period of Urdu poetry. This article attempts to identify, distinguish and critically analyze the symbols used in modern era of Wasim Barelvi's Gazal. This research consists of an introduction which I have stated the subject of the discussion and in this research the topics and issues which the poet has specially presented in his poem. I have described the views of the critics about the poet, including the life of Wasim Barelvi, and his important literary achievements. After these two parts, I have mentioned the results of the article as a conclusion. Then, at the end, I have mentioned the sources and references that I have used.

Significance of the subject: A study of Wasim Barelvi in this research reveals that his poetry is the poetry of hearts and the melody of his ghazals is the voice of time. Life events, experiences He tried to mold every whisper, every feeling and every yearning of the heart into a poetic figure.

Wasim Barelvi's poetry was adorned with the colors of standard and modernity. The tendencies of modern ideas are prominently reflected in his poems. And with the eloquence of the stain, there is a fullness of modernity. if we look closely, there is a richness of modernity in them with the hot feelings of Mir, the style of the though of Ghalib, and the eloquence of Dagh.